

سُورَةُ الْبَقَرَةِ

آیات ۷۵ تا ۸۲

﴿اَقْتَضَمُوْنَ اَنْ يُؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلِمَ
اللّٰهِ ثُمَّ يَحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝۱۷۵ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا قَالُوْا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَا بِعُضْرِهِمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْا اتَّخَذْتُوْنَهُمْ بِمَآ
فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيَحَاجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۷۶ اَوَلَا
يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝۱۷۷ وَمِنْهُمْ اٰمِيْنٌ لَا
يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّا اٰمَانِيْنَ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝۱۷۸ قَوْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ
الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۖ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا
قَلِيْلًا ۖ قَوْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبْتَ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ۝۱۷۹
وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةٌ ۚ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا
فَلَنْ يُخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗ ۚ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلٰى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۱۸۰ بَلٰى
مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّآخَاطَتْ بِهٖ خَطِيئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۱۸۱ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ
الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۱۸۲﴾

اب تک ہم نے سورۃ البقرۃ کے آٹھ رکوع اور ان پر مستزاد تین آیات کا مطالعہ مکمل کیا ہے۔ سابقہ امت مسلمہ یعنی بنی اسرائیل کے ساتھ خطاب کا سلسلہ سورۃ البقرۃ کے دس

رکوعوں پر محیط ہے۔ یہ سلسلہ پانچویں رکوع سے شروع ہوا تھا اور پندرہویں رکوع کے آغاز تک چلے گا۔ اس سلسلہ خطاب کے بارے میں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اس میں سے پہلا رکوع دعوت پر مشتمل ہے اور وہ بہت فیصلہ کن ہے جبکہ اگلے رکوع سے اسلوب کلام تبدیل ہو گیا ہے اور تہدید اور دھمکی کا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ پانچواں رکوع اس پورے سلسلہ خطاب میں بمنزلہ فاتحہ بہت اہم ہے اور جو بقیہ نو (9) رکوع ہیں ان کے آغاز و اختتام پر بریکٹ کا انداز ہے کہ دو آیتوں سے بریکٹ شروع ہوتی ہے اور انہی دو آیتوں پر بریکٹ ختم ہوتی ہے جبکہ پانچویں رکوع کے مضامین اس پورے سلسلہ خطاب سے ضرب کھارہے ہیں۔ ان رکوعوں میں بنی اسرائیل کے خلاف ایک مفصل فرد قرار داد جرم عائد کی گئی ہے جس کے نتیجے میں وہ اُس منصب جلیلہ سے معزول کر دیے گئے جس پر دو ہزار برس سے فائز تھے اور ان کی جگہ پر اب نئی اُمت مسلمہ یعنی اُمت محمد (ﷺ) کا اس منصب پر تقرر عمل میں آیا اور اس مسند نشینی کی تقریب (Installation Ceremony) کے طور پر تحویل قبلہ کا معاملہ ہوا۔ یہ ربط کلام اگر سامنے نہ رہے تو انسان قرآن مجید کی طویل سورتوں کو پڑھتے ہوئے کھوجاتا ہے کہ بات کہاں سے چلی تھی اور اب کدھر جا رہی ہے۔

ان نو رکوعوں کے مضامین میں کچھ تو تاریخ بنی اسرائیل کے واقعات بیان ہوئے ہیں کہ تم نے یہ کیا، تم نے یہ کیا! لیکن ان واقعات کو بیان کرتے ہوئے بعض ایسے عظیم ابدی حقائق اور Universal Truths بیان ہوئے ہیں کہ اُن کا تعلق کسی وقت سے کسی قوم سے یا کسی خاص گروہ سے نہیں ہے۔ وہ تو ایسے اصول ہیں جنہیں ہم سنّت اللہ کہہ سکتے ہیں۔ اس کائنات میں ایک تو قوانین طبعیہ (Physical Laws) ہیں جبکہ ایک Moral Laws ہیں جو اللہ کی طرف سے اس دنیا میں کارفرما ہیں۔ سورۃ البقرۃ کے زیر مطالعہ نو رکوعوں میں تاریخ بنی اسرائیل کے واقعات کے بیان کے دوران تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد ایسی آیات آتی ہیں جو اس سلسلہ کلام کے اندر انتہائی اہمیت کی حامل ہیں۔ اُن میں درحقیقت موجودہ اُمت مسلمہ کے لیے راہنمائی پوشیدہ ہے۔ مثال کے طور پر اس سلسلہ خطاب کے دوران آیت ۶۱ میں وارد شدہ یہ الفاظ یاد کیجیے: ﴿وَضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةَ وَالْمَسْكَنَةَ وَبَاءَؤُ وَبَغَضْتُ مِنَ اللَّهِ﴾ ”اور ان پر ذلت و خواری اور محتاجی و کم ہمتی تھوپ دی گئی اور وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے“۔ معلوم ہوا کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک مسلمان اُمت

جس پر اللہ کے بڑے فضل ہوئے ہوں، اسے بڑے انعام و اکرام سے نوازا گیا ہو، اور پھر وہ اپنی بے عملی یا بد عملی کے باعث اللہ تعالیٰ کے غضب کی مستحق ہو جائے اور ذلت و مسکنت اُس پر تھوپ دی جائے۔ یہ ایک ابدی حقیقت ہے جو ان الفاظ میں بیان ہو گئی۔ اُمت مسلمہ کے لیے یہ ایک لمحہ فکر یہ ہے کہ کیا آج ہم تو اُس مقام پر نہیں پہنچ گئے؟

دوسرا اسی طرح کا مقام گزشتہ آیت (۷۴) میں گزرا ہے، جہاں ایک عظیم ابدی حقیقت بیان ہوئی ہے: ﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً﴾ پھر تمہارے دل سخت ہو گئے اس سب کے بعد پس اب تو وہ پتھروں کی مانند ہیں بلکہ سختی میں ان سے بھی شدید تر ہیں۔ گویا اسی اُمت مسلمہ کا یہ حال بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے دل اتنے سخت ہو جائیں کہ سختی میں پتھروں اور چٹانوں کو مات دے جائیں۔ حالانکہ یہ وہی اُمت ہے جس کے بارے میں فرمایا: ﴿وَإِنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ ع نہیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا! البتہ یہاں ایک بات واضح رہے کہ اس قسوت قلبی میں پوری اُمت مبتلا نہیں ہو کر تھی، بلکہ اس کیفیت میں اُمت کے قائدین مبتلا ہو جاتے ہیں اور اُمت مسلمہ کے قائدین اُس کے علماء ہوتے ہیں۔ چنانچہ سب سے زیادہ شدت کے ساتھ یہ خرابی اُن میں در آتی ہے۔ اس لیے کہ باقی لوگ تو پیر و کار ہیں، ان کے پیچھے چلتے ہیں، ان پر اعتماد کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی کتاب کے پڑھنے والے اور اس کے جاننے والے ہیں۔ لیکن جو لوگ جان بوجھ کر اللہ کی کتاب میں تحریف کر رہے ہوں اور جانتے بوجھتے حق کو پہچان کر اُس کا انکار کر رہے ہوں انہیں تو پتا ہے کہ ہم کیا کر رہے ہیں! اور حقیقت یہ سزا اُن پر آتی ہے۔ یہ بات ان آیات میں جو آج ہم پڑھنے چلے ہیں، بہت زیادہ واضح ہو جائے گی (ان شاء اللہ)۔ فرمایا:

آیت ۷۵ ﴿اَقْتَضَمُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ﴾ ”تو کیا (اے مسلمانو!) تم یہ توقع رکھتے ہو کہ یہ تمہاری بات مان لیں گے؟“

عام مسلمانوں کو یہ توقع تھی کہ یہود دین اسلام کی مخالفت نہیں کریں گے۔ اس لیے کہ مشرکین مکہ تو دین تو حید سے بہت دور تھے، رسالت کا ان کے ہاں کوئی تصور ہی نہیں تھا، کوئی کتاب ان کے پاس تھی ہی نہیں۔ جبکہ یہود تو اہل کتاب تھے، حاملین تورات تھے، موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے تھے، تو حید کے علمبردار تھے اور آخرت کا بھی اقرار کرتے تھے۔ چنانچہ عام مسلمانوں کا خیال تھا کہ انہیں تو محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کی دعوت کو جھٹ پٹ مان لینا چاہیے۔ تو مسلمانوں کے دلوں میں یہود کے بارے میں جو حسن ظن تھا،

یہاں اس کا پردہ چاک کیا جا رہا ہے اور مسلمانوں کو اس کی حقیقت سے آگاہ کیا جا رہا ہے کہ مسلمانو! تمہیں بڑی طمع ہے، تمہاری یہ خواہش ہے، آرزو ہے، تمنا ہے، تمہیں توقع ہے کہ یہ تمہاری بات مان لیں گے۔

﴿وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلِمَ اللَّهِ ثُمَّ يَحْوِرُونَهُ مِن بَعْدِ مَا عَقِلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ (جبکہ حال یہ ہے کہ ان میں ایک گروہ وہ بھی تھا کہ جو اللہ کا کلام سنتا تھا اور پھر خوب سمجھ بوجھ کر دانستہ اس میں تحریف کرتا تھا۔“

ظاہر بات ہے وہ گروہ ان کے علماء ہی کا تھا۔ عام آدمی تو اللہ کی کتاب میں تحریف نہیں کر سکتا۔

اب اگلی آیت میں بڑی عجیب بات سامنے آ رہی ہے۔ جس طرح مسلمانوں کے درمیان منافقین موجود تھے اسی طرح یہود میں بھی منافقین تھے۔ یہود میں سے کچھ لوگ ایسے تھے کہ جب ان پر حق منکشف ہو گیا تو اب وہ اسلام کی طرف آنا چاہتے تھے۔ لیکن ان کے لیے اپنے خاندان کو گھر بار کو اپنے کاروبار کو اور اپنے قبیلے کو چھوڑنا بھی ممکن نہیں تھا، جبکہ قبیلوں کی سرداری اُن کے علماء کے پاس تھی۔ ایسے لوگوں کے دل کچھ کچھ اہل ایمان کے قریب آ چکے تھے۔ ایسے لوگ جب اہل ایمان سے ملتے تھے تو کبھی کبھی وہ باتیں بھی بتا جاتے تھے جو انہوں نے علماء یہود سے نبی آخر الزمان ﷺ اور ان کی تعلیمات کے بارے میں سن رکھی تھیں کہ تو رات ان کی گواہی دیتی ہے۔ اس کے بعد جب وہ اپنے ”شیاطین“ یعنی علماء کے پاس جاتے تھے تو وہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرتے تھے کہ بیوقوفو! یہ کیا کر رہے ہو؟ تم انہیں یہ باتیں بتا رہے ہو تاکہ اللہ کے ہاں جا کر وہ تم پر حجت قائم کریں کہ انہیں پتا تھا اور پھر بھی انہوں نے نہیں مانا!

آیت ۷۱ ﴿وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنُوا﴾ (اور (ان میں سے کچھ لوگ ہیں کہ) جب ملتے ہیں اہل ایمان سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔“

﴿وَإِذَا خَلَا بِبَعْضِهِمْ إِلَى بَعْضٍ﴾ (اور جب وہ خلوت میں ہوتے ہیں ایک دوسرے کے ساتھ“

﴿قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ﴾ (تو کہتے ہیں کیا تم بتا رہے ہو ان

کو وہ باتیں جو اللہ نے کھولی ہیں تم پر؟“

﴿لِيَحْجُوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ﴾ ” تاکہ وہ ان کے ذریعے تم پر حجت قائم کریں تمہارے رب کے پاس!“

﴿أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ ” کیا تمہیں عقل نہیں ہے؟“

تم ذرا عقل سے کام لو اور یہ حقیقتیں جو تورات کے ذریعے سے ہمیں معلوم ہیں، مسلمانوں کو مت بتاؤ۔ کیا تمہیں عقل نہیں ہے کہ ایسا بیوقوفی کا کام کر رہے ہو؟ ان کے اس مکالے پر اللہ تعالیٰ کا تبصرہ یہ ہے:

آیت ۷۷۔ ﴿أَوْ لَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ﴾ ” اور کیا یہ جانتے نہیں ہیں کہ اللہ کو تو معلوم ہے وہ سب کچھ بھی جو وہ چھپاتے ہیں اور وہ سب کچھ بھی جسے وہ ظاہر کرتے ہیں۔“

تم چاہے یہ باتیں مسلمانوں کو بتاؤ یا نہ بتاؤ، اللہ کی طرف سے تو تمہارا محاسبہ ہو کر رہنا ہے۔ لہذا یہ بھی ان کی ناسمجھی کی دلیل ہے۔

آیت ۷۸۔ ﴿وَمِنْهُمْ أُمِّيُونَ﴾ ” اور ان میں بعض اُن پڑھ ہیں“

”اُمّی“ کا لفظ قرآن مجید میں اصلاً تو مشرکین عرب کے لیے آتا ہے۔ اس لیے کہ اُن کے اندر پڑھنے لکھنے کا رواج ہی نہیں تھا۔ کوئی آسمانی کتاب بھی اُن کے پاس نہیں تھی۔ لیکن یہاں یہود کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ ان میں سے بھی ایک طبقہ اُن پڑھ لوگوں پر مشتمل ہے۔ جیسے آج مسلمانوں کا حال ہے کہ اکثر و بیشتر جاہل ہیں، ان میں سے بعض اگرچہ پی ایچ ڈی ہوں گے، لیکن انہیں قرآن کی ”ا‘ب‘ت“ نہیں آتی، دین کے ”مبادی“ تک سے ناواقف ہیں۔ چنانچہ آج پڑھ لکھے مسلمانوں کی بھی عظیم اکثریت ”پڑھ لکھے جاہلوں“ پر مشتمل ہے۔ جبکہ ہماری اکثریت ویسے ہی بغیر پڑھی لکھی ہے۔ تو اب انہیں دین کا کیا پتا؟ وہ تو سارا اعتماد کریں گے علماء پر! کوئی بریلوی ہے تو بریلوی علماء پر اعتماد کرے گا، کوئی دیوبندی ہے تو دیوبندی علماء پر اعتماد کرے گا، کوئی اہل حدیث ہے تو اہل حدیث علماء پر اعتماد کرے گا۔ اب اُمیوں کا سہارا کیا ہوتا ہے؟

﴿لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِي﴾ ” وہ کتاب کا علم نہیں رکھتے، سوائے بے بنیاد

آرزوؤں کے“

ایسے لوگ کتاب سے تو واقف نہیں ہوتے، بس اپنی کچھ خواہشات اور آرزوؤں پر تکیہ کیے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان خواہشات کا ذکر آگے آجائے گا۔ یہود کو یہ زعم تھا کہ ہم تو اسرائیلی ہیں، ہم اللہ کے محبوب ہیں اور اس کے بیٹوں کی مانند چہیتے ہیں، ہماری تو شفاعت ہو ہی جائے گی۔ ہمیں تو جہنم میں داخل کیا بھی گیا تو تھوڑے سے عرصے کے لیے کیا جائے گا، پھر ہمیں نکال لیا جائے گا۔ یہ ان کی ”امانی“ ہیں۔ ”امنیۃ“ کہتے ہیں بے بنیاد خواہش کو، wishful thoughts اس کی جمع ہے۔ اس کی صحیح تعبیر کے لیے انگریزی کا لفظ wishful thoughts ہے۔ یہ اپنی ان بے بنیاد خواہشات اور جھوٹی آرزوؤں کے سہارے جی رہے ہیں، کتاب کا علم ان کے پاس ہے ہی نہیں۔

﴿وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ﴾ ”اور وہ کچھ نہیں کر رہے مگر ظن و تخمین پر چلے جا رہے ہیں۔“ ان کے پاس محض وہم و گمان اور ان کے اپنے من گھڑت خیالات ہیں۔

آیت ۷۹ ﴿قَوْلُ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ﴾ ”پس ہلاکت اور بربادی ہے ان کے لیے جو کتاب لکھتے ہیں اپنے ہاتھ سے۔“ ”ویل“ کے بارے میں بعض روایات میں آتا ہے کہ یہ جہنم کا وہ طبقہ ہے جس سے خود جہنم پناہ مانگتی ہے۔

﴿ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ﴾ ”پھر کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے“ ﴿لَيْسَتْ رَأْيَهِ ثُمَّ قَلِيلًا﴾ ”تا کہ حاصل کر لیں اُس کے بدلے حقیر سی قیمت۔“ یعنی لوگ علماء یہود سے شرعی مسائل دریافت کرتے تو وہ اپنے پاس سے مسئلے گھڑ کر فتویٰ لکھ دیتے اور لوگوں کو باور کراتے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، یہی دین کا تقاضا ہے۔ اب اس فتویٰ نویسی میں کتنی کچھ واقعات انہوں نے صحیح بات کہی، کتنی ہٹ دھرمی سے کام لیا اور کس قدر کسی رشوت پر مبنی کوئی رائے دی، اللہ کے حضور سب دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے گا۔ علامہ اقبال نے علماء سوء کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

خود بد لیتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق!
علماء یہود کا کردار اسی طرح کا تھا۔

﴿قَوْلُ لَهُمْ مِمَّا كَتَبْتَ بِيَدِيهِمْ﴾ ”تو ہلاکت اور بربادی ہے ان کے لیے اس چیز سے کہ جو ان کے ہاتھوں نے لکھی“

﴿وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ﴾ ”اور اُن کے لیے ہلاکت اور بربادی ہے

اس کمائی سے جو وہ کر رہے ہیں۔“

یہ فتویٰ فروشی اور دینِ فردوسی کا جو سارا دھندا ہے اس سے وہ اپنے لیے تباہی اور بربادی مول لے رہے ہیں اس سے اُن کو اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا۔ اب آگے ان کی بعض ”امانی“ کا تذکرہ ہے۔

آیت ۸۰ ﴿وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً﴾ ”اور وہ کہتے ہیں ہمیں تو آگ ہرگز چھو نہیں سکتی، مگر گنتی کے چند دن۔“

گویا صرف دوسروں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے ہمیں چند دن کی سزا دے دی جائے گی کہ کوئی اعتراض نہ کر دے کہ ”اے اللہ! ہمیں آگ میں پھینکا جا رہا ہے اور انہیں نہیں پھینکا جا رہا“ جبکہ یہ کردار میں ہم سے بھی بدتر تھے۔ چنانچہ اُن کا منہ بند کرنے کے لیے شاید ہمیں چند دن کے لیے آگ میں ڈال دیا جائے، پھر فوراً نکال لیا جائے گا۔

﴿قُلْ اتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا﴾ ”ان سے کہیے کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لیا ہے؟“ کیا تمہارا اللہ سے کوئی قول و قرار ہو گیا ہے؟

﴿فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ﴾ ”کہ اب (تمہیں یہ یقین ہے کہ) اللہ اپنے عہد کے خلاف نہیں کرے گا؟“

﴿أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ ”یا تم اللہ کے ذمے وہ باتیں لگا رہے ہو جنہیں تم نہیں جانتے؟“

حقیقت یہی ہے کہ تم اللہ کی طرف اس بات کی نسبت کر رہے ہو جس کے لیے تمہارے پاس کوئی علم نہیں ہے۔

بنی اسرائیل کی فرد و قرارِ جرم کے دوران گاہ بگاہ جو اہم ترین ابدی حقائق بیان ہو رہے ہیں ان میں سے ایک عظیم حقیقت اگلی آیت میں آرہی ہے۔ فرمایا:

آیت ۸۱ ﴿بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً﴾ ”کیوں نہیں جس شخص نے جان بوجھ کر

ایک گناہ کمایا“

لیکن اس سے مراد کبیرہ گناہ ہے، صغیرہ نہیں۔ سَيِّئَةً کی تکثیر ”تفحیم“ کا فائدہ بھی دے رہی ہے۔

﴿وَإِذَا حَاطَتْ بِهِ خُطْبَتُهُ﴾ ”اور اس کا گھیراؤ کر لیا اس کے گناہ نے“

مثلاً ایک شخص سود خوری سے باز نہیں آ رہا باقی وہ نماز کا بھی پابند ہے اور تہجد کا بھی التزام کر رہا ہے تو اس ایک گناہ کی برائی اس کے گرد اس طرح چھا جائے گی کہ پھر اس کی یہ ساری نیکیاں ختم ہو کر رہ جائیں گی۔ ہمارے مفسرین نے لکھا ہے کہ گناہ کے احاطہ کر لینے سے مراد یہ ہے کہ گناہ اس پر ایسا غلبہ کر لیں کہ کوئی جانب ایسی نہ ہو کہ گناہ کا غلبہ نہ ہو حتیٰ کہ دل سے ایمان و تصدیق رخصت ہو جائے۔ علماء کے ہاں یہ اصول مانا جاتا ہے کہ ”الْمَعَاصِي بَرِيدُ الْكُفْرِ“ یعنی گناہ تو کفر کی ڈاک ہوتے ہیں۔ گناہ پر مداومت کا نتیجہ بالآخر یہ نکلتا ہے کہ دل سے ایمان رخصت ہو جاتا ہے۔ ایک شخص اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہے لیکن اندر سے ایمان ختم ہو چکا ہوتا ہے۔ جس طرح کسی دروازے کی چوکت کو دیمک چاٹ جاتی ہے اور اوپر لکڑی کا ایک باریک پرت (veneer) چھوڑ جاتی ہے۔

﴿فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ﴾ ”پس یہی ہیں آگ والے“

﴿هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ ”وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔“

آیت ۸۲ ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ ”اور (اس کے برعکس) جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں“

اب نیک عمل کے بارے میں ہر شخص نے اپنا ایک تصور اور نظریہ بنا رکھا ہے۔ جبکہ نیک عمل سے قرآن مجید کی مراد دین کے سارے تقاضوں کو پورا کرنا ہے۔ محض کوئی خیراتی ادارہ یا کوئی یتیم خانہ کھول دینا یا بیواؤں کی فلاح و بہبود کا انتظام کر دینا اور خود سودی لین دین اور دھوکہ فریب پر مبنی کاروبار ترک نہ کرنا نیکی کا مسخ شدہ تصور ہے۔ جبکہ نیکی کا جامع تصور یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ تمام فرائض کی بجا آوری ہو دین کے تمام تقاضے پورے کیے جائیں اپنے مال اور جان کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد اور مجاہدہ کیا جائے اور اس کے دین کو قائم اور سر بلند کرنے کی جدوجہد کی جائے۔

﴿أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ﴾ ”یہی ہیں جنت والے“

﴿هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ ”وہ اسی میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔“